سیلاب کے بعد

آٹے کے لیے بھی قطاریں لگانا پڑیں گی

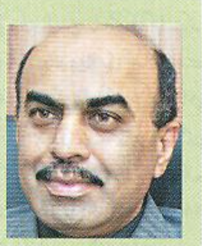

نصیر میمن
چیف ایگزیکٹو، استحکام
شراکتی ترقی (ایس پی او)

2010ء میں تباہی پھیلانے والا سیلاب گزر گیا لیکن اس کے تباہ کن اثرات برسوں تک رہیں گے۔ اس ناگہانی آفت کے اثرات نے پہلے ہی معاشرے کے ہر طبقے کو متاثر کرنا شروع کر دیا ہے اور آئندہ برسوں تک ملک کو مزید ایسی ہی مشکلات کا سامنا رہے گا۔ سیلاب پر شہریوں، حکومت، سول سوسائٹی اور عالمی برادری کے فوری ردعمل نے خیموں میں مقیم متاثرین کی زندگی کو قابل قبول بنانے میں مدد دی لیکن بحالی کا مرحلہ دشوار ثابت ہوگا۔ بحالی صرف کیمپوں کو خالی کرنے اور مکانات و بنیادی ڈھانچے کی تعمیر تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کے لیے ان علاقوں میں تباہ شدہ سماجی و معاشی ڈھانچے کی تعمیر نو بھی کرنا ہوگی۔ ملک کو آئندہ سال تین اہم اہداف کا سامنا کرنا پڑے گا: غذائی تحفظ کو یقینی بنانا، وسیع پیمانے پر بحالی کے اقدامات اور معیشت کی سست رفتاری کے مضر اثرات۔ یہ تینوں ایک دوسرے سے منسلک بھی ہیں اور سیاسی طور پر تغیر پذیر بھی۔

حالیہ سیلاب سے انسانی جانوں کے بعد سب سے زیادہ نقصان کھڑی فصلوں اور گلہ بانی کو پہنچا ہے۔ زرعی پٹی میں سیلاب کی تباہ کاریوں کے باعث آئندہ برسوں میں غذائی تحفظ کے لیے سنگین مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔ سیلاب کی لہر ایک ایسے وقت میں آئی تھی جب کپاس، دھان، گنا اور سبزیوں کی فصلیں کٹائی کے لیے تیار تھیں۔ تنظیم برائے خوراک و زراعت نے تخمینہ لگایا ہے کہ تقریباً دو ملین ہیکٹرز پر کھڑی فصلیں تباہ ہو گئیں اور گنے، دھان اور کپاس کی 13.3 ملین ٹن پیداوار ضائع ہو گئی۔ سیلاب میں 1.2 ملین مال مویشی ہلاک ہوئے ہیں جبکہ مزید 14 ملین کو چارے کی قلت اور بیماریوں کے خطرات لاحق ہیں۔ ماضی میں زرعی اجناس کے ناقص نظم و نسق کے باعث بمپر فصلوں کے دور میں بھی ملک میں افراتفری دیکھنے میں آئی ہے۔ ذخیرہ اندوزوں اور اسمگلروں نے حال ہی میں چینی کی آسمان کو چھوتی قیمتوں کے ذریعے صارفین کو شدید مایوسی سے دوچار کیا ہے۔ موسم سرما کی فصل کے خراب امکانات کی وجہ سے آئندہ برس آٹے کے حصول کے لیے طویل قطاریں دیکھنے میں آ سکتی ہیں۔ عالمی ادارہ برائے خوراک و زراعت کے تخمینے کے مطابق ان میں 60 فیصد سے زائد اپنے روزگار سے محروم ہو چکے ہیں جس کی وجہ سے ان کی آمدنی نصف سے کم رہ گئی ہے۔ اور ان میں سے کم از کم 7.8 ملین لوگ خاصے عرصے تک سخت غذائی عدم تحفظ کا شکار رہ سکتے ہیں۔ غذائی تحفظ کی صورتحال سیلاب سے پہلے ہی تشویشناک تھی اور اجناس کی بڑھتی ہوئی عالمی قیمتیں تباہ کن اثرات مرتب کر رہی تھیں۔ سیلاب نے ان کی شدت میں اضافہ کر دیا ہے۔ اقوام متحدہ کے 2008ء کے جائزے کے مطابق 77 ملین پاکستانی بھوکے اور 44 ملین غذائی قلت کا شکار ہیں جبکہ پانچ سال سے کم عمر 38 فیصد بچے

آئندہ مون سون کے موسم میں بھی سیلاب کا خطرہ ہے

تعمیر کی فکر: ابتدا کہاں سے

اور مجموعی آبادی کے 24 فیصد کا وزن مقررہ معیار سے کم ہے۔ اقوام متحدہ نے بھوک کے عالمی اشاریے میں پاکستان کو ''سنگین صورتحال'' کے زمرے میں شامل کیا تھا۔ سیلاب کو مدنظر رکھتے ہوئے ملک میں خوراک کے مستقبل کو دیکھنے کے لیے کسی خوردبین کی ضرورت نہیں ہے لیکن انتظامی معجزے یا عالمی امداد حالات کا دھارا بدلنے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔

مادی نقصانات اتنے زیادہ ہیں کہ سرکاری خزانے کی ایک ایک پائی ان پر خرچ کرنا ہوگی۔ عالمی امدادی ایجنسیوں عالمی بینک اور ایشیائی ترقیاتی بینک نے سیلاب سے 9.7 ارب ڈالر کے نقصانات کا تخمینہ لگایا ہے جو کہ حکومت کی جانب سے 40 ارب ڈالر کے ابتدائی تخمینے سے بہت کم ہے لیکن فنڈز کا بندوبست کرنے والے منتظمین اور عالمی امدادی ایجنسیوں کی پیشانی پر شکنیں ڈالنے کے لیے کافی ہے۔ عالمی برادری کی جانب سے توقع کے مطابق ردعمل دیکھنے میں نہیں آیا جس کی کئی وجوہات ہیں جن میں ترقی یافتہ دنیا میں کساد بازاری، حالیہ برسوں میں وسیع قدرتی آفات کے باعث عطیات دینے والوں کی تھکاوٹ اور انتظامی مشینری کی غیر مستحکم ساکھ شامل ہیں۔

ابھی تک زمین کا ایک بڑا رقبہ زیر آب ہے اس لیے خدشہ ہے کہ موسم سرما کے اہداف حاصل نہیں ہو سکیں گے چونکہ گندم کو پاکستان میں بنیادی غذا کی حیثیت حاصل ہے اس لیے پیداوار میں کمی کے خاصے منفی اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ ہاؤس ہولڈ انٹیگریٹڈ اکنامک سروے کے مطابق زیریں سطح کے 80 فیصد گھرانے اپنی آمدنی کا 50 فیصد سے زائد غذا پر خرچ کرتے ہیں۔ اس طبقے کو بڑھتی ہوئی غذائی گرانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

حکومت کے لیے معیشت کی دگرگوں صورتحال کے باعث بحالی کے فنڈز جمع کرنا ایک بڑا چیلنج ہوگا۔ عالمی برادری نے جو امداد دی ہے اس کے بدلے انہوں نے دو مطالبات کیے ہیں: ایک ایسے قابل بھروسہ ادارہ جاتی طریقہ کار کی موجودگی جس میں شفافیت کی ضمانت دی گئی ہو اور مقامی ٹیکس دہندگان کی متاثرہ افراد کی بحالی کے لیے فنڈز فراہم کرنے پر آمادگی۔ امریکا اور دیگر ڈونرز نے پاکستانی شہریوں پر تنقید کی کہ وہ دیگر ملکوں کے ٹیکس دہندگان سے ان کا بوجھ اٹھانے کی توقع کرتے ہیں لیکن وہ خود ٹیکسوں کے ذریعے یہ بوجھ اٹھانے کے لیے تیار نہیں۔ امکان ہے کہ نئے سال کا سورج پہلے کے مقابلے میں زیادہ جارحانہ ٹیکسوں کی وصولی، کچھ نئے ٹیکسوں کے نفاذ، باقی رہ جانے والے زراعانت کی واپسی اور اس کے نتیجے میں گرانی بڑھنے کے ساتھ طلوع ہوگا۔ حالیہ برسوں کے دوران پاکستانی معیشت مشکلات سے دوچار رہی ہے۔ اس قدرتی آفت نے معاشی صورتحال کو مزید پیچیدہ بنا دیا ہے۔ اس نازک موڑ پر جبکہ ملک کو وسائل کی شدید قلت کا سامنا ہے حکومت کو دفاعی اخراجات میں 110 ارب روپے (442.2 سے 522 ارب روپے) کا اضافہ اور ترقیاتی اخراجات میں 73 ارب روپے (663 ارب روپے سے کم کر کے 590 ارب روپے) کی کٹوتی کرنا پڑی۔ معاشی پیچیدگیوں کے ساتھ ساتھ بحالی کی بڑھتی ہوئی ضرورت آئندہ برس بھی ترقیاتی اخراجات کو متاثر کرے گی جس کا نتیجہ بیروزگاری و غربت میں مزید اضافے اور سماجی ناہمواری میں مزید ابتری کی صورت میں نکلے گا۔

حالیہ مہینوں کے دوران موسم میں تیزی سے رونما ہونے والی تبدیلیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے آئندہ مون سون کے موسم میں بھی سیلاب کا خطرہ ہے۔ ماحولیاتی تبدیلیوں کی ایک اہم خصوصیت ان کی غیر متوقع نوعیت ہے جس کی وجہ سے درست پیش گوئی کرنا بہت مشکل ہوتا ہے جبکہ مون سون کی بارشوں میں اچانک تیزی یا شدت کا رجحان پایا جاتا ہے۔ اس بات کا تصور بھی سراسیما کر دینے کے لیے کافی ہے کہ اگر آئندہ موسم میں بھی مون سون نے ایسے ہی رنگ دکھائے تو کیا بنے گا؟ ضرورت اس امر کی ہے کہ سیلاب سے تحفظ دینے والے کمزور ڈھانچے کو فوری طور پر تعمیر کیا جائے اور ناگہانی آفت کی صورت میں اداروں کے ردعمل کو مزید تقویت دی جائے۔ تباہی سے عارضی طور پر نمٹنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آئندہ مون سون کو نظر انداز کر دیا جائے جس کی آمد میں زیادہ وقت نہیں۔